پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
شعبہ اسلامیات

خودی ۔ قرآن حکیم کی روشنی میں

خودی کے مضمون کو، عصر حاضر میں جس قدر حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اجاگر کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے ۔ اور یہ امر بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ اقبالؒ سب سے زیادہ قرآن حکیم سے متاثر تھے اور انہوں نے فرزندان توحید کو اپنی مضمر صلاحیتیں بروئے کار لانے کے لئے، اور ملی تشخص کو ابھارنے کے لئے، قرآنی تعلیمات کی روح کو شعر کے قالب میں ڈھال کر خودی کا پیغام دیا ۔ قرآن حکیم کی ان تعلیمات اور اس کے بارے میں رہنما اور زریں اصول کا کھوج لگانے کے لئے میں نے اپنے مقالے کا موضوع "خودی ۔ قرآن حکیم کی روشنی میں" اسی بنا پر منتخب کیا ۔ یہ ایک طالب علمانہ جسارت ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ کوئی "ماہر فن" جوش میں آ کر اس اہم موضوع پر شرح و بسط کے ساتھ اپنی نگارشات علمی پیش کرے ۔

خودی سے کیا مراد ہے ؟ وہ کون سے رہنما اور زریں قرآنی اصول ہیں جن سے خودی کی تعمیر و تربیت ہوتی ہے ؟ خودی کی غذا اور اس کے نشو و ارتقا کا قرآنی طریق کار کیا ہے ؟ قرآن حکیم کی روشنی میں وہ کون سے وجوہ و اسباب ہیں جو خودی کے اضمحلال اور زوال کا باعث بنتے ہیں ؟ خودی کا انسان کی انفرادی زندگی پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے ؟ اور خودی کے مسلمانوں کی حیات اجتماعی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں ؟ یہ وہ چند مباحث ہیں جو مختصراً پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں ۔

خودی سے مراد خود گری ہے جو خود نگری ، خود بینی ، خود آگاہی ، خود شناسی اور خود اعتمادی سے ظہور پذیر ہوتی ہے ۔ سادہ الفاظ میں خودی سے مراد یہ ہے کہ انسان اس وسیع و بیکراں کائنات میں اپنے مقام کو پہچانے اور انسان اور کائنات اور انسان اور ربِ کائنات کے مابین جو باہمی ربط و تعلق ہے اس سے کماحقہ' آگاہ ہو کر اپنی تعمیرِ شخصیت اور تشکیل سیرت کرے اور خود کو اس اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچائے کہ صحیح معنوں میں لیابت الٰہی اور خلافتِ ارضی کے فریضے کو انجام دے سکے ۔

قرآن حکیم میں خودی کا مفہوم اس آیت قرآنی سے ماخوذ ہے :

یا یہا الذین امنوا علیکم أنفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم ، الی الله مرجعکم فینبئکم بما کنتم تعملون' (۵ : ۱۰۵)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو ، اپنی فکر کرو ، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا اگر تم خود راہ راست پر ہو ، اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو)

اس آیت قرآنی کے ابتدائی الفاظ ''علیکم انفسکم'' پر غور کیجئے ۔ معانی کا ایک سمندر موجزن ہے ۔ ارشاد باری کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم خودگری کرو گے اور اپنے مقصود اور نصب العین کو مسلسل سعی و کاوش سے حاصل کر لو گے تو دنیا کی طاغوتی طاقتیں تمہارا کچھ بھی تو بگاڑ نہیں سکتیں ۔

علامہ جمال الدین قاسمی نے خودی کے اس مفہوم کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے :

'' لانہ یدخل فی ذالک کل مالزم من الواجبات ، ای کما فعل المہایمی فی تفسیرہ حیث قال : ''علیکم انفسکم'' ای الزموا ان تصلحوہا باتباع الدلائل من کتاب اللہ و سنۃ رسولہ و العقلیات المؤیدۃ بہا و دعوۃِ الاخوان التی ذلک با قامۃ الحجج ودفع الشبہ

و أمرهم بالمعروف و نهيهم عن المنكر بما امكن القول و الفعل ۔ لا تقصروا فی ذلک ۔"[۲]

(کیونکہ اس حکم میں وہ ساری باتیں شامل ہیں جو (تعمیر سیرت کے لئے) ضروری ہیں ۔ جیسا کہ علامہ المہایمی نے اپنی تفسیر میں واضح کیا ہے وہ رقم طراز ہے کہ : "علیکم انفسکم" سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے نفوس کی اصلاح و تعمیر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنما اصول کے مطابق کرو اور عقلی دلائل و براہین اور حکمت و بصیرت کے حصول سے کرو اور پھر اُمت مسلمہ کو ان عقلی و نقلی دلائل کے حوالے سے دعوت الی الحق دو اور ان کے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زریں اصول کو جس قدر بھی ممکن ہے ، قول سے اور فعل سے کام میں لاؤ ، اور ان امور میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو)

سید قطب نے اس مضمون کو بڑی عمدگی سے ایک جملے میں سمو دیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

" والامة المسلمة قوامة علی نفسها اولا ؛ و علی البشرية كلها اخيراً"[۳]

(علیکم انفسکم سے مقصود یہ ہے کہ سب سے پہلے امت مسلمہ اپنی اصلاح و تعمیر کرے اور بعد (یعنی اس صلاحیت سے بہرہ ور ہو کر) پوری نوعِ انسانی کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے)

یہاں اس امر کا ذکر بے حد ضروری ہے کہ بعض صحابہ کرام نے "علیکم انفسکم" کے اس ارشاد خداوندی سے یہ سمجھا کہ اس سے مقصود فقط اتنا ہے کہ مسلمان خود کو ہر قسم کے شر اور فتنے سے محفوظ رکھیں اور ان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد نہیں ہوتا ۔ جب خلیفہ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع پہنچی تو وہ فوراً کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان

کرنے کے بعد لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا :

”اے لوگو ! تم اس آیت قرآنی یا یھا الذین امنوا علیکم انفسکم الخ پڑھتے ہو اور تم اس کا غلط مفہوم اخذ کرتے ہو حالانکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اس کا ازالہ نہ کریں تو قریب ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے۔“[۴]

سید قطب نے اس امر کی مزید صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

”ان کون الامة المسلمة مسئولة عن نفسها امام اللہ لا یضرها من ضل اذا اھتدت لا یعنی انھا غیر محاسبة علی التقصیر فی الامر بالمعروف و نھی عن المنکر فیما بینھا اولا ، ثم فی الارض جمیعاً۔“[۵]

(امت مسلمہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہوگی اور اسے یہ بات ہرگز ضرر نہ پہنچائے گی کہ وہ تو جادۂ ہدایت پر گامزن رہی ہے مگر دوسرے لوگ گمراہ رہے ہیں ۔ لیکن اس آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس نے کوتاہی کی ہے تو اس کے بارے میں اللہ کے ہاں اس سے پرسش نہیں ہوگی ، خواہ یہ کوتاہی امت مسلمہ میں داخلی تبلیغ میں واقع ہوئی ہو یا پوری روئے زمین میں آباد دیگر اقوام میں تبلیغ کے بارے میں واقع ہوئی ہو)

خودی کی تعمیر و تربیت کے قرآنی اصول :

قرآن حکیم وہ صحیفہ فطرت ہے جس نے کائنات اور رب کائنات کے بارے میں انسان کو علم و آگہی سے سرفراز فرمایا ہے ۔ اور اسے اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ انسان نہ تو اس کائنات میں حادثاتی طور پر پیدا ہوا ہے جیسا کہ بعض مغرب کے دانشوروں نے خیال کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی موروثی گناہ کا شکار ہیں جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے چنانچہ قرآن حکیم سب سے پہلے انسان کو خود شناس کرنے کے لئے یہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس کائنات ارضی میں ایک انتہائی ذمہ دار حیثیت سے

آیا ہے :

افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لاترجعون[6] ۔

(کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے ۔)

الذی خلق الموت و الحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا[7] ۔

(جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے) ۔

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون[8] ۔

(میں نے جنّوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں) ۔

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا[9] ۔

(پس (اے نبی ؐ) یک سو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی سمت میں قائم کر لو اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا) ۔

انسان جب اپنے شعور و ادراک کی آنکھ کھولتا ہے تو اپنے ماحول میں زندگی کی رنگینیوں ، رعنائیوں ، آسائشوں اور مرغوبات نفس میں خود کو گھرا ہوا پاتا ہے کیا انسان کی زندگی کا ما حصل یہی ہے جو اس کے لیے اپنے اندر ایک کشش اور جاذبیت رکھتا ہے یا اس کا اصل ٹھکانا اور گوہر مقصود کچھ اور ہے قرآن حکیم اس دلدل سے انسان کو نکالتے ہوئے اسے خود شناسی کا موقع فراہم کرتا ہے !

زین للناس حب الشھوت من النساء و البنین و القناطیر المقنطرۃ من الذھب و الفضۃ و الخیل المسومۃ و الانعام و الحرث ذالک متاع الحیوۃ الدنیا و اللہ عندہ حسن المآب[10] ۔

(لوگوں کے لئے مرغوبات نفس - عورتیں ، اولاد ، سونے چاندی کے ڈھیر ،

چیدہ گھوڑے ، مویشی اور زرعی زمینیں خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں ۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ اللہ کے پاس ہے) ۔

گویا انسان کو اس ''جہان رنگ و بو'' میں کھونے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اس کا ''جہان و مکاں'' اس کا اصل ٹھکانا ، اللہ تعالیٰ کی رضوان اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے ۔ بقول علامہ اقبال[۷]

توہم از بارِ فرائض سر متاب
بر خوری از عنده حسن المآب''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا انسان ان مرغوبات نفس سے خود کو بچانے کے لئے خواہشات کو کچل ڈالے اور ترکِ دنیا کا راستہ اختیار کرے ۔ دنیا کے بہت سے مذاہب مثلاً بدھ دھرم ، جین دھرم ، ہندو دھرم اور عیسائیت نے بیراگ ، ویراگ اور ترکِ دنیا یا رہبانیت کا یہی راستہ اختیار کیا ہے لیکن اسلام نہ تو ترکِ دنیا کی اجازت دیتا ہے نہ غرقِ دنیا کی ۔ بلکہ افراط و تفریط سے پاک معتدل اور متوازن راہ تجویز کرتا ہے کہ ذلک متاع الحیوٰۃ الدنیا ۔ یہ سب اشیاء اس دنیا کی پونجی ہے ۔ ان سے شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر انسان لطف اندوز اور بہرہ ور ہو سکتا ہے لیکن اسے اپنا نصب العین کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے اور وہ ہے واللہ عنده حسن المآب کہ اس کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے ۔

قرآن حکیم نے انسان کے شرف و عظمت کو بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ انسان احسن تقویم[۱۲] میں پیدا ہوا ہے ۔ اور شمس و قمر[۱۳] یا شجر و حجر کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ وہ اس کائنات ارضی میں نیابتِ الٰہی کا فریضہ ادا کرنے آیا ہے :

و اذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ[۱۴]

(پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) -

و ھو الذی جعلکم خلئف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ما اتکم[۱۵] -

(وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دے تا کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے)

قرآن حکیم انسان کو خود نگری کا سبق دینے کے لئے اس کی ہمت و جرأت کا ذکر کرتا ہے کہ وہ بار امانت جسے اٹھانے کے تصور سے آسمان و زمین اور پہاڑ بھی لرز گئے انسان نے بڑھ کر ، ہمت مردانہ سے کام لیتے ہوئے ، اٹھا لیا -

انا عرضنا الامانة علی السموت و الارض و الجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان انه کان ظلوماً جهولا[۱٦] -

(ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے) -

علامہ اقبال نے کتنے پیارے انداز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے بلکہ لوگوں کے ذہنوں کو بظاہر الجھانے والے الفاظ "ظلوماً جهولا" کے اصل مفہوم کی صراحت کر دی ہے -

اے ز آداب امانت بے خبر　　از دو عالم خویش را بہتر شمر
از رموز زندگی آگاہ شو　　ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو[۱۷]

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ملت کا استحکام ، افراد کے استحکام پر منحصر ہے ، چنانچہ قرآن حکیم نے زندگی کا اصل مقصد - نیابت الٰہی - کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان اصول کی نشاندہی کی ہے جو افراد کی انفرادی اصلاح و تعمیر کے لئے

رہنمائی کا کام دیتے ہیں اور تشکیل کردار اور تعمیرِ سیرت کے لئے مینار نور ثابت ہوتے ہیں ۔ قرآن حکیم نے علم کے حصول کی ضرورت و اہمیت کے بیان کے ساتھ ساتھ ان تمام فضائل اخلاق کو نام لے لے کر بیان کیا ہے جو سیرت میں نکھار پیدا کر کے خودی کو مضبوط کرتے ہیں مثلاً صبر ، شکر ، توکل ، شجاعت ، جرأت ، صداقت ، امانت ، ایثار ، اخلاص وغیرھا ۔ اسی طرح ان تمام رزائل اخلاق کو بھی مفصل بیان کر دیا ہے جو انسان کی تباہی و بربادی کا موجب بنتے ہیں مثلاً ظلم ، جھوٹ ، مکر و فریب ، فخر و غرور ، تکبر وغیرھا[۱۸] ۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اس حکمت ربانی[۱۹] کا ذکر ہے جس سے انسان ، زندگی کے مختلف اہم امور میں معتدل و متوازن روش اختیار کر کے اپنے ماحول کی اصلاح کا خوشگوار فریضہ ادا کر سکتا ہے اور اپنی خودی کو مستحکم کر کے ایک صالح معاشرے کے قیام کے لئے راہ ہموار کر سکتا ہے ۔

افراد کی شیرازہ بندی سے ملت کو استحکام حاصل ہوتا ہے ۔ افراد کے باہمی حسنِ تعاون سے زندگی کے معاشی ، معاشرتی ، سیاسی اور قانونی مسائل حل ہوتے ہیں ۔ قرآن حکیم نے کتنے بلیغ انداز میں افراد کو تقویٰ شعار بننے کی تلقین کے بعد انہیں اللہ کی رسی کو باہم مل کر تھام لینے کی تاکید فرمائی ہے ۔ اور تاریخی شواہد کے حوالے سے اس مثالی انقلاب کا ذکر کیا ہے جس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لوگوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا ہے[۲۰] ۔ علامہ اقبال نے فرد و ملت کے ربط کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے

فرد را ربط جماعت رحمت است جوہر او را کمال از ملت است[۲۱]

قرآن حکیم نے ایک ایسی مستحکم ملت کا تصور عطا کیا ہے جو ملت ابراہیمی ہے[۲۲] جو انبیائے کرام کے فیضان نبوت کی امین ہے جسے ایک اہم مرکز حاصل ہے[۲۳] جو افراد میں ملی شعور کو جنم دے کر انہیں مرکز سے پیوستہ رکھتا ہے[۲۴] ۔ اس ملت کی تربیت ایک ایسے نبی ؐ کے ہاتھوں تکمیل پاتی ہے جو آخری نبی[۲۵] ہے ، جو رحمۃ للعالمین[۲۶] ہے ، جو عالمگیر پیغام لے کر آیا ہے[۲۷] ، جس کا آسوۂ حسنہ

قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے دائمی نمونۂ عمل ہے[۲۸] - جس کا لایا ہوا دین اور شریعت کامل اور مکمل ہے[۲۹] ، جس کی لائی ہوئی کتاب ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے[۳۰] اور قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے ایک روشن ضابطہ ہدایت ہے - یہ ملت رنگ ، نسل ، زبان ، قومیت کے تعصبات سے منزہ ہے اور آئین حق کی پابند ہے -

اب مجھے ایک انتہائی اہم پہلو کا ذکر کرنا ہے اور وہ ہے خودی کی غذا اور اس کا نشو و ارتقا - قرآن حکیم نے خودی کی غذا اور اس کی مسلسل اور مستقل تربیت کا انتظام ارکان اسلام سے کیا ہے - نماز تن آسانی اور فواحش کے خلاف ایک جہاد ہے - روزہ صبر و ثبات اور تقویٰ پیدا کرتا ہے - زکواۃ طبیعت سے بخل کے جذبات کا ازالہ کر کے فیاضی اور سخاوت کے جذبات پیدا کرتی ہے - حج ، گھر بار ، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ، وطن کو خیر باد کہہ کر مرکز سے وابستگی کا ایک ذریعہ ہے یہ سب امور خودی کی غذا ہیں - اور اس کی مسلسل تربیت کرتے ہیں - بقول علامہ اقبال"

طاقتِ ہمہ اسباب استحکام تست پختۂ محکم اگر اسلام تست[۳۲]

لیکن وہ غذا جو خودی کو سب سے زیادہ مستحکم کرتی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت ہے - کہیں مومن کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اشد حباً للہ[۳۳] ہے کہیں اہل ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے اپنے آباء ، فرزند ، بھائی ، بیوی ، رشتہ دار اور مال و دولت ، تجارت یا خوبصورت رہائش گاہوں کو اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب گردانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب کے فیصلے کے منتظر رہیں[۳۴]

علامہ اقبال نے اسرار و رموز میں ایک عنوان قائم کیا ہے " در بیان اینکہ چون خودی از عشق و محبت محکم میگردد قوائے ظاہریہ و مخفیہ نظام عالم را مسخرمی

سازد" اور اس شعر سے آغاز کیا ہے

از محبت چوں خودی محکم شود قوتش فرماندهٔ عالم شود[35]

قرآن حکیم نے فرزندانِ توحید کو ، خودی کی مسلسل تربیت کے اہتمام کے لئے ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر[36] کی خصوصی تلقین کی ہے ۔ اور جہاد کی فضیلت و اہمیت[37] بیان کر کے مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا محبوب[38] قرار دیا ہے ۔

اب ان وجوہ و اسباب کا مختصراً ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو خودی کے ضعف و اضمحلال اور زوال کا باعث بنتے ہیں ۔ قرآن حکیم ، کم ہمتی ، غفلت ، سستی اور بے توجہی اور تن آسانی کو خودی کے لئے زہر قاتل قرار دیتا ہے ۔ نماز اور زکواۃ کے تعلق میں ایسے کم ہمت اور سست لوگوں کو قابل مذمت قرار دیا گیا ہے ۔ ارشاد باری ہے :

لا یاتون الصلوۃ الا وھم کسالیٰ ولا ینفقون الا وھم کرھون[39] ۔

(نماز کے لئے آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں) ۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے : فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون[40] ۔

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے یکسر غفلت اختیار کرتے ہیں ان کی خودی ضعیف اور ان کا انجام عبرتناک ہوتا ہے[41] ۔

سیدنا فاروق اعظمؓ اونٹ پر سوار جا رہے ہیں ۔ تازیانہ ہاتھ سے گر جاتا ہے ۔ اسے زمین پر سے اٹھانے کے لئے خود اترتے ہیں اور اس معمولی سے کام کے لئے بھی کسی کا احسان گوارا نہیں فرماتے ۔ حکیم الامت نے سوال کرنے کو خودی کا ضعف قرار دیتے ہوئے کیا خوب کہا ہے

خود فرود آ از شتر مثل عمرؓ الحذر از منت غیر الحذر[42]

آمور خیر میں کم ہمتی اور سستی کا ایک سبب شکم پروری ہوتی ہے جس سے نفس خود پرست اور خود سر ہو جاتا ہے ۔ قرآن حکیم نے شکم پروری[۴۳] اور جانوروں کی طرح کھانے کو مذموم قرار دیا ہے[۴۴] ۔

گویا قرآن حکیم نے خودی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ ایک ایسے فرد کا تصور ہے جو بلند ہمت ہے ، نڈر ہے ، فضائل اخلاق سے آراستہ ہے ۔ عشق الٰہی اور حب رسول اکرمؐ سے سرشار ہے ۔ مجاہدانہ کردار کا حامل ہے ۔ جو آئین کا پابند ہے جو ملت کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہے ۔ جو حضرت حسینؓ کی طرح خودی سے بے خود ہو کر ، ملت کی بقا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر ڈالتا ہے[۴۵] ۔ خودی کا انسان کے انفرادی کردار اور اس کی انفرادی زندگی پر ایسا اثر مرتب ہوتا ہے کہ اسے اپنا مال ، اپنی جان ، اپنی عزیز ترین متاع بھی خداوند قدوس کے لئے قربان کرتے وقت ذرا تامل نہیں ہوتا ۔ وہ ابراہیمؑ کی طرح حلقوم پسر پر ساطور رکھ دیتا ہے[۴۶] ۔ خودی ، اپنی انتہائی بلندیوں اور اوج کمال پر رسالت مآبؐ کی سیرت طیبہ میں جھلکتی ہے حضور اکرمؐ کعبہ کو قبلہ دیکھنے کے آرزو مند ہیں ۔ بار بار نگاہیں آسمان کی طرف اٹھتی ہیں لیکن مرضی مولیٰ اور رضائے خداوندی کے آگے سر تسلیم خم ہے ۔ مدینہ منورہ آئے ڈیڑھ برس گذر چکا ہے اور بدستور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے چلے جا رہے ہیں ۔ رحمت حق جوش میں آتی ہے اور '' فلنولینک قبلۃ ترضھا''[۴۷] (ہم قبلے کو اس طرف بدلے دیتے ہیں جدھر تیری رضا ہے) کا پیغام آ جاتا ہے ۔ علامہ مرحوم نے کیا خوب فرمایا ۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

حکیم الامت نے '' و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ'' کے قرآنی ارشاد کو خودی کے محکم ہونے کا ثمرہ قرار دیا ہے ، جب خودی محکم ہو تو چاند بھی دو ٹکڑے ہو جاتا ہے ۔

پنجۂ او پنجۂ حق می شود   ماہ از انگشت او شق می شود[۳۸]

خودی کا حیاتِ اجتماعی پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ پوری ملت میں نظامِ عبادت، نظامِ معاشرت، نظامِ معیشت، نظامِ قانون و سیاست میں مثالی وحدت نظر آتی ہے۔ مختلف رنگ والے، مختلف نسل والے، مختلف زبان بولنے والے، مختلف بلاد سے تعلق رکھنے والے لوگ اخوت، مساوات، حریت کے اصول سے مزین اور آراستہ عملی وحدت کا ایک حسین نمونہ اور مظہر نظر آتے ہیں۔[۳۹] اور قرآن حکیم انہیں "کنتم خیر امۃ" کے لقب سے سرفراز کر کے انہیں خودی کو زندہ اور بیدار اور محکم رکھنے کے لئے یہ حیات آفرین پروگرام دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱- القرآن الحکیم ۵ : ۱۰۵ -
۲- علامۃ الشام محمد جمال الدین قاسمی : تفسیر القاسمی، الجزء السادس، صفحہ ۲۱۹۰ -
۳- سید قطب : فی ظلال القرآن، طبع بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، الجزء السابع، صفحہ ۶۰ -
۴- الخطیب التبریزی : مشکاۃ المصابیح، طبع دمشق، جلد دوم، صفحہ ۶۴۳ -
نیز دیکھئے جمال الدین قاسمی : تفسیر القاسمی، صفحہ ۲۱۹۱ -
نیز دیکھیے سید قطب : فی ظلال القرآن، الجزء السابع، صفحہ ۶۱ -
۵- فی ظلال القرآن، الجزء السابع، صفحہ ۶۱ -
۶- القرآن ۲۳ : ۱۱۵ -
۷- القرآن ۶۷ : ۲ -
۸- القرآن ۵۱ : ۵۶ -
۹- القرآن ۳۰ : ۳۰ -
۱۰- القرآن ۳ : ۱۴ -
۱۱- اسرار و رموز، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۴۵ -
۱۲- القرآن الحکیم ۹۵ : ۴ -
۱۳- القرآن الحکیم ۴۱ : ۳۷ -
۱۴- القرآن الحکیم ۲ : ۳۰ -
۱۵- القرآن الحکیم ۶ : ۱۶۵ -
۱۶- القرآن الحکیم ۳۳ : ۷۲ -
۱۷- اسرار و رموز، صفحہ ۵۷ -
۱۸- قرآن حکیم میں ان دونوں کا ذکر متعدد بار موجود ہے۔
۱۹- القرآن الحکیم، ۱۷، ۲۳ تا ۳۹ -
۲۰- القرآن الحکیم ۳، ۱۰۲ - ۱۰۳ -
۲۱- اسرار و رموز، صفحہ ۹۷ -

۲۲- القرآن الحکیم ۲ : ۸۷ نیز ۲ : ۱۳۵ -

۲۳- القرآن الحکیم ۳ : ۹۶ ۹۷ -

۲۴- القرآن الحکیم ۲ : ۱۲۵ -

۲۵- القرآن الحکیم ۳۳ : ۴ -

۲۶- القرآن الحکیم ۲۱ : ۱۰۷ -

۲۷- القرآن الحکیم ۲۵ : ۱ -

۲۸- القرآن الحکیم ۳۳ : ۲۱ -

۲۹- قرآن الحکیم ۵ : ۳ -

۳۰- القرآن الحکیم ۱۷ : ۸۸ -

۳۱- القرآن الحکیم ۸۱ : ۲۷ -

۳۲- اسرار و رموز - صفحہ ۳۸ -

۳۳- القرآن الحکیم ۲ : ۱۶۵ -

۳۴- القرآن الحکیم ۹ : ۳۳ -

۳۵- اسرار و رموز ، صفحہ ۳۶ -

۳۶- القرآن الحکیم ۱۰۳ : ۳ -

۳۷- القرآن الحکیم ۳ : ۹۵ -

۳۸- القرآن الحکیم ۶۱ : ۴ -

۳۹- القرآن الحکیم ۹ : ۵۴ -

۴۰- القرآن الحکیم ۱۰۷ : ۵ -

۴۱- القرآن الحکیم : ۲۰ : ۱۲۴-۱۲۶ -

۴۲- اسرار و رموز ، صفحہ ۲۴ -

۴۳- القرآن الحکیم : ۷ : ۳۱ -

۴۴- القرآن الحکیم ۴۷ : ۱۲ - علامہ اقبال نے اسی مضمون کو اپنے اس شعر میں بیان کر کے اسے خودی کا ضعف قرار دیا ہے

مثل حیواں خوردن و آسودن چہ سود
گر بخود محکم نہٴ بودن چہ سود
(اسرار و رموز ، صفحہ ۵۹)

۴۵- اسرار و رموز ، صفحہ ۱۲۸ -

۴۶- القرآن الحکیم ۳۷ : ۱۰۲ - ۱۰۷ -

۴۷- القرآن الحکیم ۲ : ۱۴۳ -

۴۸- اسرار و رموز ، صفحہ ۲۷ -

۴۹- القرآن الحکیم ۳ : ۱۱۰ -

—:o:—